تدوینِ فقہ

(۶)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

یہ صحیح ہے کہ اپنے اس لچک میں اسلام کی دوسری خصوصیتوں کو بھی دخل ہے، لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، اس سلسلہ میں ان اختلافات سے بھی فائدہ پہنچا اور پہنچایا جاسکتا ہے، جو مختلف مسائل کے متعلق ہم ائمہ فقہ میں پاتے ہیں۔

یہی کھانے اور پینے کا مسئلہ ہے سب کو معلوم ہے کہ قرآن نے انسانی زندگی کے اس شعبہ کے متعلق بھی بعض قوانین نافذ کئے ہیں، بعض چیزوں کا کھانا اور بعض چیزوں کا پینا مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے، لیکن حسب دستور چند اہم چیزوں کی تفصیل کے بعد قرآن ہی میں پیغمبر کے صفات کو گناتے ہوئے ایک صفت

یحرم علیھم الخبائث — خبیث (گندی) چیزوں کو ان پر وہ حرام کرتے ہیں اور

ویحل لھم الطیبٰت — پاکیزہ ستھری چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔

کی بھی بتا کر اس کا فیصلہ کہ کن کن چیزوں میں خبث ہے تاکہ وہ حرام کی جائیں اور کون کونسی چیزیں صاف و پاک و ستھری ہیں تاکہ انھیں حلال کیا جائے، اس کو نبوت کبری کے معیاری مذاق کے سپرد کردیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس اجمال کی تفصیل میں کچھ جزئیاتی تصریحات اور کچھ کلیاتی اشاروں سے کام لیا، پھر جن کے متعلق جزئیاتی تفصیل کی گئی۔ عموماً خبر الخاصہ ہی کی راہ سے مسلمانوں میں وہ منتقل ہوئیں اور کلیاتی اشاروں کو سامنے رکھکر ائمہ

اجتہاد نے جو احکام پیدا کئے ان میں جیسا کہ ہونا ہی چاہئے تھا، کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور آج وہی اختلافات مختلف مکاتب خیال والی کتابوں میں موجود ہیں، میں مثالاً دو مسئلوں کا پہلے ذکر کرتا ہوں یعنی ماکولات (وہ چیزیں جو کھائی جاتی ہیں) ان کے متعلق شائد عوام کو معلوم نہ ہو، لیکن علما جانتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر اس باب میں کتنا فراخ اور وسیع ہے۔ خصوصاً آبی حیوانات کے متعلق ان کا مشہور فتوی ہے کہ

لاباس باکل جمیع حیوان البحر[۱] — دریا اور سمندر کے جتنے حیوانات ہیں ان کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

انتہا یہ ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا بحری خنزیر بھی؟ جواب میں امام نے ارشاد فرمایا۔

انتم تسمونہ خنزیرا — تم لوگوں نے اس کا خنزیر نام رکھ دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جس خنزیر کو حرام کیا گیا ہے وہ تو وہی ہے جو خشکی میں بود و باش رکھتا ہے، باقی لوگوں نے دریا کے کسی جانور کا نام اگر خنزیر رکھ دیا ہو تو نام رکھنے سے وہ واقع میں خنزیر نہیں ہو جائے گا۔ بہرحال اسی بنیاد پر مالکیوں کے یہاں بحری خنزیر کا کھانا زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے۔

یہ فتوی تو آبی حیوانات کے متعلق ہوا، ان کے سوا ایسی تمام چیزیں جنھیں عموماً حشرات الارض کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے یا اسی طرز کے دوسرے جانور ان کے متعلق ابن رشد مالکی اپنی اسی کتاب بدایہ میں ناقل ہیں۔

الحشرات والضفادع والسرطانات والسلحفاۃ وما فی معناھا، فان الشافعی حرمھا واباحھا الغیر ومنھم من کرھھا۔ — عام حشرات (کیڑے مکوڑے) مینڈکوں، کیکڑوں اور کچھوے اور جو چیزیں اسی طرز کی ہوں تو امام شافعیؒ نے ان کی حرمت کا فتوی دیا ہے، اور بعضوں نے سب کو مباح اور جائز ٹھیرایا ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں۔

---

۵۱ بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۱۲۔

اور ٹھیک اس کے مقابلہ میں یعنی ماکولات میں حنفی مذہب کا دائرہ مالکیوں کے اعتبار سے جہاں تنگ ہے، مشروبات (پینے کی چیزوں) کے سلسلہ میں اگرچہ عام طور پر حنفی مذہب کا تحقیقی فتویٰ یہی ہے کہ

کل مسکر حرام قلیلہ وکثیرہ (عام کتبِ فقہ) تمام نشہ پیدا کرنے والی چیزیں حرام ہیں خواہ ان کی تھوڑی مقدار ہو یا بڑی۔

لیکن بایں ہمہ ہماری کتابوں میں الخمر (انگور کے خام افشردہ سے بغیر آگ پر پکانے کے جو شراب تیار ہوتی ہے) اس میں اور دیگر نشہ اور مشروبات کے متعلق خصوصیت کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعی وغیرہ ائمہ کے جو توسیعی نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں، خصوصاً حنفی مذہب میں عام نشہ آور عرقیات یا غیر خمیری مسکرات کی نجاستِ غلیظہ وخفیفہ ہونے میں جو فرق کیا جاتا ہے، نیز ان کی تجارت کی حرمت وکراہیت میں جو اختلاف ہے، سمجھا جاتا ہے کہ خمر کی حرمت کا منکر کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا کہ قرآن کے نص قطعی کا منکر ہے، لیکن دوسرے مسکرات کے متعلق اتنی شدت نہیں پائی جاتی۔ یا خمر کا پینے والا حد (شرعی سزا تازیانہ) کا مستحق ہے۔ لیکن غیر خمریات کا حکم یہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ طبیبِ حاذق جب تک شفا کو اسی میں منحصر نہ کردے دوا بھی ان کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ اور اسی کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کی طرف تدویۃً ہی نہیں بلکہ تقویۃً غیر مسکر مقدار کے متعلق جو مسئلہ پایا جاتا ہے، یا غیر مسلم اقوام سے ان مسکرات کی تجارت کی صورت میں عشر (کروڑگیری) کے لینے نہ لینے کی جو بحث ہے، یا یہ مسئلہ کہ کسی غیر مسلم آدمی کی شراب کے مٹکوں کو ڈھوکر کوئی مسلمان مزدوری حاصل کرے یہ آمدنی اس کی حلال اور طیب ہوگی یا حرام وخبیث؟

حنفی مذہب کی عام کتابوں میں مذکورہ بالا امور اور ان کے سوا بھی اسی کے دیگر متعلقات کے باب میں جو متفرق چیزیں نشہ آور عرقیات ومشروبات کے متعلق ملتی ہیں اور مالکی مذہب کا جو توسیعی نقطۂ نظر ماکولات کے متعلق ہے، اگر ان کو سامنے رکھ لیا جائے، جو ظاہر ہے کہ

انسانی زندگی کا ایک جزئی در جزئی مسئلہ ہے لیکن ایسے ممالک جیسے شمالی و جنوبی قطب کا حال ہے، سُنا جاتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کی گذر اوقات صرف مچھلیوں یا مچھلی اگر نہ ملی تو دوسرے بحری جانوروں کے کھانے پر وہ مجبور ہیں، اگر یہ قوم مسلمان ہونا چاہے تو کیا غذائی حیثیت سے وہ مالکی مذہب کی ماکولاتی وسعتوں سے نفع اٹھا کر اسلام کے دائرہ میں اپنے آپ کو باقی نہیں رکھ سکتی، یا نشہ آور عرقیات کے سلسلہ میں آج مغربی تمدن کے تسلط کی بدولت دواؤں میں، رنگوں میں، وارنش میں، اور بھی مختلف چیزوں میں الکحل کے استعمال کا عمومی ابتلاء جو پایا جاتا ہے، جن میں غیروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عوام کی بھی ایک بڑی تعداد دنیا کے اکثر حصوں میں شریک ہے، جیسا کہ سُنا جاتا ہے کہ الکوحل کا یہ جوہر عموماً غیر خمری عرقوں سے نکالا جاتا ہے، اور کلیتہً یہ نہ بھی صحیح ہو، جب بھی ہر قسم کے الکوحل کا خالص خمری عرقیات ہی سے تیار ہونا یقیناً غیر ضروری ہے، ایسی صورت میں یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے مذہب میں الکوحل قطعاً حرام و نجس ہے، مسلمانوں میں جو لوگ اس کے استعمال میں لاپروائیوں بلکہ بسا اوقات مخالفانہ اصرار و تمرد سے کام لے کر جس عصیاں بلکہ بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں کیا الخمر[1] کے متعلق جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ہے اور حنفی مذہب میں اس کے

---

[1] حنفی مذہب میں خمر کے متعلق مذکورہ بالا سوالات کے سلسلہ میں جو جوابات پائے جاتے ہیں اس کی بنیاد علاوہ دوسری چیزوں کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص اجتہادی اصول پر مبنی ہے۔ تفصیل کا موقع تو انشاء اللہ آگے آئے گا۔ جہاں امام کے خصوصی اصول اجتہاد کو بیان کیا جائے گا۔ لیکن اجمالاً اتنا یہاں بھی گوش گذار کر دینا مناسب ہوگا کہ امام کو فرقۂ ظاہریہ سے اس پر تو اتفاق ہے کہ نص صریح میں جو لفظ آیا ہے اس پر اصرار کیا جائے گا۔ اتنا اصرار کہ غیر منصوص منصوص کا ہم رتبہ اور ہم وزن نہ ہو جائے اسی لئے عربی زبان میں خمر کا اطلاق واقع میں جس شراب پر ہوتا ہے یعنی انگور کا وہی خام افشردہ جس میں آگ پر چڑھائے بغیر اشتداد اور تیزی پیدا ہو جائے اور رقذف زبد کر دے۔ یعنی کف اور پھین پھینک دے فقہ کے الفاظ میں اذا غلی واشتد وقذف بالزبد کی کیفیت جب اس افشردہ پر طاری ہو جائے عربی لغت میں خمر اسی نشہ اور عرق کا نام تھا۔ اس زمانہ میں شمپین، برانڈی، وسکی جیسے الگ الگ الفاظ میں ان کے معنی اور مصادیق بھی مختلف ہیں۔ ہر شراب کو شمپین نہیں کہہ سکتے۔ (باقی حاشیہ صفحۂ آئندہ)

متعلق جو تفصیلات پائے جاتے ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھ کر ان مسلمانوں کے جرم کو کیا ہلکا نہیں بنایا جا سکتا ہے؟ قطعاً حرام و نجس جانتے ہوئے اسی چیز کو استعمال کرنا اور مختلف طریقوں سے اس کو برتنا یقیناً اس جرم کے برابر ان لوگوں کا فعل نہیں ہو سکتا جو اپنے آپ کو حنفی مذہب کی وسعتوں سے فائدہ اٹھانے والوں میں شمار کرتے ہوں۔

اور یہ تو میں نے بطور مثال کے فقہی اختلافات کے ایسے دو مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے اندازہ لگانے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان اختلافات کی بدولت اسلامی قانون اور اس قانون کے دائرہ میں کتنی عظیم وسعت پیدا ہو گئی ہے، سچ تو یہ ہے کہ بعضہ اسلام سے جو لوگ قصداً واختیاراً ہی نکلنے پر آمادہ ہوں، ان کوتاہ نصیبوں کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ جو اسلام ہی کے دائرہ میں جینا اور مرنا چاہتا ہے وہ پائے گا کہ گنجائشوں کے پیدا کرنے میں اسلام نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یقیناً ان گنجائشوں کا ایک بڑا باب ان فقہی اختلافات ہی کی بدولت کھلا ہے۔ اور اسی لئے بجائے شر کے میں ان اختلافات کو اسلام اور مسلمان دونوں کے لئے خیرِ عظیم خیال کرتا ہوں۔

بطور نکتہ بعد الوقوع کے اسلامی اختلافات کے متعلق میری یہ کوئی ذاتی توجیہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گویا اس حد تک امام ابو حنیفہؒ ایک طرح سے انتہائی ظاہریت پسند ہیں، لیکن ظاہریہ سے امام جہاں سے مختلف ہو جاتے ہیں وہ یہ مسئلہ ہے کہ غیر منصوص چیزیں اگر وہی سبب پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے منصوص شئے پر شریعت نے حکم لگایا ہے تو حضرت امام اس سے بھی چشم پوشی روا نہیں رکھتے مثلاً یہی خمر ہے کہ اس کا پینا نشہ پیدا کرنے کی وجہ ہی سے حرام ہوا ہے، اسی لئے امام یہ جائز قرار نہیں دیتے کہ حکم کو صرف خمر تک محدود کر دیا جائے بلکہ جن جن چیزوں میں نشہ آوری کی کیفیت پائی جائے گی ان پر بھی حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن منصوص غیر منصوص کے برابر نہ ہو جائے۔ اسی لئے خمر کے تمام متعلقہ احکام غیر خمری مسکرات پر وہ عائد نہیں کرتے حنفی مذہب کی دیگر خصوصیتوں میں ایک بڑی خصوصیت ظاہریت اور قیاسیت کا یہ ایسا حکیمانہ میل ہے جس کی گہرائیوں تک ہر شخص کا پہنچنا آسان نہیں ہے۔ اپنے محل پر انشاء اللہ اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔

فلینتظر

تاویل نہیں ہے یعنی اختلافات چوں کہ واقع ہو چکے اس لئے خواہ مخواہ اپنی طرف سے افادہ کا پہلو ان میں پیدا کرنا چاہتا ہوں، بلکہ خلفاً عن سلف مسلمانوں میں ان اختلافات کے متعلق یہی خیال ہمیشہ پایا گیا ہے، نہ صرف پچھلے دنوں میں بلکہ اسلام کی پہلی صدی تک کو اس خیال سے ہم لبریز پاتے ہیں۔

عام مسلمانوں کو شاید اس کا علم نہ ہو، مگر اہل علم پر تو یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جو اختلافات آج بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں۔ ان اختلافات کا ایک بڑا حصہ دراصل صحابہ ہی کے اختلافات پر مبنی ہے، اور ان ہی سے منتقل ہو کر اختلافات کا یہ قصہ تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے طبقات میں پہنچا، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان اختلافات کے متعلق سوال ابتدا ہی میں اٹھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھتیجے حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکرؓ جو بچپن میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اپنی پھوپھی کے زیر تربیت آگئے تھے، ام المومنین ہی کے آغوشِ شفقت میں انھوں نے ہوش سنبھالا، انھیں سے علم و عمل کی پختگی ان کے حصہ میں آئی، حتیٰ کہ اپنے عہد میں ان کا شمار ان سات آدمیوں میں تھا جو فقہ و حدیث کی تاریخ میں فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بہر حال ان ہی کا قول کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ

لقد نفع الله باختلاف	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے جو اختلافات
اصحاب النبی صلی اللہ علیہ	ان کے اعمال میں تھے، خدا نے اس سے یہ نفع
وسلم فی اعمالھم لا یعمل	پہنچا دیا کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی صحابیوں میں سے کسی
العامل بعمل رجل منھم	صحابی کے طرزِ عمل کے مطابق عمل کرتا ہے، وہ اپنے
الا رای انہ فی سعۃ ورای	آپ کو گنجائش میں پاتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس
ان خیرا منہ قد عملہ۔	نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے جسے اس سے زیادہ
؎	بہتر آدمی نے کیا تھا۔

؎ الموافقات ج ۴ ص ۵۱

آپ دیکھ رہے ہیں، میں نے تو صرف یہ دعویٰ کیا تھا کہ میرا خیال کوئی نیا خیال نہیں ہے لیکن حضرت قاسمؒ نے صرف اتنا خیال ہی نہیں ظاہر کیا ہے، بلکہ ان اختلافات میں خدا نے افادہ کا جو پہلو پیدا کر دیا ہے اس کی کتنی بہترین پاکیزہ منطقی توجیہ بھی انھوں نے فرمائی ہے یعنی اسی اختلاف کی وجہ سے ہر مسلمان اب عمل کے ہر پہلو کے لئے اپنے سامنے ایک ایسا نمونہ رکھتا ہے جو بہرحال اس سے بہتر ہے، صحابہ کے اختلافات پر تو خیر یہ بات صادق ہی آتی ہے ہم عامیوں کے لئے یہی حال ائمہ کے اختلافات کا ہے کہ امام مالکؒ کا نہ سہی، امام ابوحنیفہ رہ کا تو یہ عمل ہے، یا امام شافعیؒ کا نہ سہی امام احمدؒ کا تو عمل ہے، اور ہم سے تو بہرحال سب ہی بہتر اور خیر ہیں، اس احساس کے بعد آدمی اپنے آپ کو اگر اس گنجائش میں پائے جس کی طرف حضرت قاسمؒ نے اشارہ فرمایا تو آپ ہی بتائیے کہ اس کے سوا اس کا دوسرا احساس اور ہو ہی کیا سکتا ہے اسی کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا۔

ای ذلک اخذت لم یکن	ان اختلافات میں سے جسے بھی تم اختیار کرلو تو چاہئے
فی نفسک منہ شی ۔	کہ پھر تمہارے جی میں کھٹکا نہ رہے۔

اسی زمانہ میں خدا نے مسلمانوں کو ایک بادشاہ دیا۔ ایسا بادشاہ جو فقیروں کا فقیر اور "معلم العلماء" کا خطاب تو اس کو اپنے عصر کے سارے علماء سے ملا ہی ہوا تھا۔ میرا اشارہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ کی طرف ہے، اس باب میں ان کا نقطۂ نظر تو اتنا بلند تھا کہ علانیہ فرماتے تھے۔

ما احب ان لم یختلفوا (موافقات)	اگر صحابہ مختلف نہ ہوتے تو میرے لئے یہ ناگوار بات ہوتی

اسی قدر نہیں وہی یہ بھی فرماتے تھے

ما یسرنی ان لی باختلافہم	سرخ اونٹ مجھے اتنا مسرور نہیں کرسکتا جتنا کہ
حمر النعم ۔	ان کے اختلاف سے میں مسرور ہوں۔

"سرخ اونٹ" عرب کا ایک محاورہ تھا مراد اس سے ایسی چیز لیتے تھے جس سے زیادہ بہتر اور قیمتی شے دنیا میں دوسری چیز نہ ہو، اپنے اس خیال کی توجیہ وہ بھی یہی کیا کرتے تھے۔

لانہ لو کان قولا واحدا کان الناس فی ضیق۔ — اگر ان امور میں ایک ہی فتویٰ ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔

اور یہ وہی بات ہے جو میں نے عرض کی تھی کہ اسلام مختلف اقوام و امم، ممالک و اقالیم میں اپنے آپ کو جن وجوہ سے منطبق پاتا ہے، ان میں ایک بڑا اہم عنصر مسائل کا یہ اختلاف بھی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے یہ بھی منقول ہے آپ فرماتے تھے۔ دارمی میں ہے۔

لو اجتمعوا علی شئ فترکہ ترک السنۃ ولو اختلفوا فاخذ رجل بقول احد اخذ السنۃ (ص ۸۰) — اگر ایک ہی بات پر وہ (صحابہ) متفق ہو جاتے تو اس بات کا چھوڑنے والا سنت کا چھوڑنے والا بن جاتا، اور جب وہ مختلف ہوئے تو ان میں سے جس کسی کے قول کو کوئی اختیار کرلیگا سمجھا جائے گا کہ سنت ہی کو اس نے اختیار کیا۔

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ

ھم ائمۃ یقتدی بھم فلو اخذ احد بقول رجل منھم کان فی سعۃ (شاطبی) — وے لوگ (صحابہ) ایسے پیشوا ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے بس ان میں سے جس کے قول کو بھی جو اختیار کرلیگا وہ گنجائش میں رہا۔

تقریباً یہ اسی قول کی تصدیق ہے جو حضرت قاسمؒ نے اپنے خیال کی توجیہ میں فرمایا تھا اس کے متعلق بھی میں نے یہی کہا تھا اور یہاں بھی یہی کہتا ہوں کہ ان تابعین کو جو نسبت صحابہ سے تھی کہ وہ ان کے پیشوا تھے، ایسے پیشوا جن کی اقتدا اور اتباع ہی میں وہ روشنی پاتے تھے، یہی نسبت ائمہ مجتہدین سے ہم عام مسلمانوں کو ہے، ان پر عمل کرنے والا اگر شریعت کی قصداً پیدا کی ہوئی گنجائش سے نہیں نکلتا تو ائمہ کی پیروی کرنے والوں پر بھی تو یہی بات صادق آتی ہے اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اس خیال کو اپنی ذات کی حد تک محدود نہیں رکھا دارمی جیسی مستند کتاب میں ہے۔

قیل لعمر بن عبد العزیز — عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا گیا کہ کاش آپ لوگوں کو

لو جمعت الناس علی شئ۔ ایک ہی مسلک پر متفق کر دیتے۔

جن کی نگاہوں میں گہرائی نہ تھی، دین کی بہی خواہی ان کو اتفاق ہی میں نظر آئی، اور بظاہر ایک عامی آدمی اس کے سوا اور کیا سوچ سکتا ہے، لیکن جو مسلمانوں کا امیر و قائد تھا، اور تاریخ نے پیغمبر کے سچے جانشینوں میں جسے شمار کیا ہے، جانتے ہو اتفاق کے اس میموریل کے جواب میں مسلمانوں کو کیا کہتا ہے۔

ما یسرنی انھم وہ (یعنی مسلمان) اگر مختلف نہ ہوتے تو یہ بات
لم یختلفوا۔ مجھے اچھی نہیں لگتی۔

یہ تو جواب دیا گیا، اس کے بعد اس شخص نے جو اگر چاہتا تو وہ بھی کر سکتا تھا جو دوسروں نے چاہا تھا، لیکن بجائے اس کے اپنی حکومت کی طرف سے مسلمانوں میں یہ فرمان جاری کیا — جیسا کہ دارمی میں ہے کہ

ثم کتب الی الآفاق والی پھر انھوں نے اپنے تمام محروسہ ممالک کے ارباب
اولی الابصار لیقضی کل بینش و دانش کے نام یہ فرمان لکھوا بھیجا "چاہیئے
قوم بما اجتمع علیہ کہ ہر ملک کے باشندے اسی کے متعلق فیصلہ کریں جس پر
فقہاءھم (ص ۸۰) اُن کے فقہاء کا اتفاق ہو"

لیکن ظاہر ہے کہ اس اتفاقی فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کا مطلب یہی ہوا کہ مختلف علاقوں کے فقہاء میں جو اختلاف تھا، اسی کے باقی رکھنے کا انھوں نے فرمان نافذ فرمایا تھا، غالباً قاسم بن محمد کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔

لقد اعجبنی قول عمر بن عبد العزیز عمر بن عبد العزیز کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی، یعنی یہ
ما احب ان لم یختلفوا (شاطبی) اگر وہ مختلف نہ ہوتے تو یہ بات مجھے بھلی نہ لگتی۔

غالباً یہ اسی فرمان کے بعد کا قول ہے جو پہنچنے کے بعد آپ نے فرمایا اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کے اقوال سے مثلاً

من لم یعرف الاختلاف — جو اختلاف کا عالم نہیں اس کی ناک نے
لم یشم انفہ الفقہ (شاطبی ج ص ۱۶۱) — فقہ کی بو بھی نہیں سونگھی۔

جو قتادہ کی طرف منسوب ہے یا سعید بن عروبہ کہتے تھے۔

من لم یسمع الاختلاف فلا — جس نے اختلاف نہیں سنے ہیں، اسے
تعدہ عالماً (شاطبی ص ۱۶۱) — تم عالم نہ شمار کرو۔

یا قبیصہ بن عقبہ بیان کرتے تھے۔

لا یفلح من لا یعرف اختلاف — وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اختلافات سے
الناس (شاطبی) — واقف نہیں ہے۔

ان سب میں اختلاف کی وہی اہمیت جتائی گئی ہے، جس نے ایک بڑے عظیم نفع کے دروازہ کو مسلمانوں پر وا کردیا، اسی لئے بزرگوں سے منقول ہے جیسا کہ ایوب سختیانی کا بیان تھا۔

امسلک الناس اعلمھم — حکم لگانے میں جلدی نہ کرنے والا وہی ہو سکتا ہے
باختلاف العلماء — جو علماء کے اختلاف سے زیادہ واقف ہے۔

وہ کہتے تھے کہ ان کے استاد ابن عیینہ کا قول تھا۔

اجسر الناس علی — فتویٰ دینے میں زیادہ جری وہی ہو سکتا ہے (یعنی کسی چیز
الفتیا اقلھم علماً — کے متعلق قطعی حکم لگا دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے) جو
باختلاف الناس۔ — لوگوں کے اختلاف سے ناواقف ہوگا۔

مطلب ان حضرات کا یہ ظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ اختلافات سے جو ناواقف ہوتے ہیں، وہ مسلمانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہنکانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن جو اختلافات سے واقف ہیں وہ کسی قطعی رائے کے قائم کرنے میں جلدی نہیں کرتے، ان کے فیصلے حالات کو پیش نظر رکھکر صادر ہوتے ہیں۔

اور یہ چند اقوال دارمی اور شاطبی کی کتابوں سے میں نے بطور نمونہ نقل کئے ہیں، ورنہ

سچ یہ ہے جیسا کہ شاطبی نے لکھا ہے۔

کلام الناس ھھنا کثیر (ج ۴ ص ۱۹۲) لوگوں کے اقوال اس باب میں بہت زیادہ ہیں

میری غرض تو فقط اس قدر تھی کہ ان اختلافات کی جو توجیہ میں نے پیش کی ہے، اسے میرا کوئی ذاتی خیال نہ قرار دیا جائے غالباً اس کے لئے اتنی شہادتیں کافی ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ جن بزرگوں کی تربیت و پرداخت نبوت کبری کی براہ راست صحبت و نگرانی میں ہوئی تھی انھوں نے اپنے ان اختلافات میں بھی اتفاق کا ایک ایسا رنگ شروع ہی میں پیدا کر دیا تھا کہ بجز نفع کے ان اختلافات پر کوئی دوسرا نتیجہ ہی کیا مرتب ہو سکتا تھا صحابہ کے اختلافات کا ذکر کر کے شاطبی نے بالکل صحیح لکھا ہے وہ فرماتے ہیں۔

انما اختلفوا فیما اُذن لھم من	وہ انھیں باتوں میں مختلف ہوئے جن میں اپنی رائے سے
اجتھاد الرای واستنباط	اجتہاد کرنے کا انھیں حکم ملا ہوا تھا اور یہ کہ جن حوادث
من الکتاب والسنۃ فیما لم	کے متعلق نص میں کوئی صراحت نہ ملے تو کتاب و سنت سے
یجدوا فیہ نصا واختلف	استنباط کریں اور اسی میں ان کے اقوال و آرا مختلف ہو گئے
فی ذلک اقوالھم فصاروا	اور وہ اپنے اس اختلاف میں مستحق مدح و ستائش ہیں کہ
محمودین لانھم اجتھدوا	جس بات میں انھیں حکم اجتہاد کا دیا گیا تھا ان ہی کے
فیما امروا (ج ۴ ص ۱۸۶)	متعلق انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔

پھر اختلافات صحابہ کی چند مشہور مثالوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وکانوا مع ھذا اھل مودۃ	اس اختلاف کے باوجود باہمی محبت و الفت رکھنے والے
وتناصح واخوۃ الاسلام	لوگ تھے، ایک ایک کا بہی خواہ و خیر اندیش تھا، اسلام نے جو
فیما بینھم قائمۃ (ج ۴ ص ۱۸۱)	بھائی چارہ ان میں قائم کر دیا تھا وہ اپنے حال پر باقی تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ دنیاوی معاملات ہی کی حد تک نہیں، بلکہ دین میں بھی باوجود اختلاف اور شدید اختلاف کے اس قسم کی حیرت انگیز رواداریوں کی مشق جن لوگوں نے بہم پہنچائی ہو

جس کی ایک مشہور مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیش آیا میرا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جس کا ذکر صحاح کی مختلف کتابوں میں ہے یعنی حج کے موسم میں عام قاعدہ عہد نبوت سے یہی چلا آرہا تھا کہ ظہر و عصر کی نمازیں بجائے چار چار رکعتوں کے صرف دو دو رکعتیں عرفات کے میدان میں پڑھی جاتی تھیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے آپ کو مسافر خیال کر کے مسئلہ قصر صلوٰۃ ہی پر عمل کرتے رہے، خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدت تک اسی پر عمل پیرا رہے۔ لیکن کچھ دن کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے بجائے دو کے چار رکعتوں کے ساتھ اس کے پڑھانے کا ارادہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، ایک عمل جس پر پیغمبر نے بھی زندگی بھر مداومت فرمائی اور پیغمبر کے بعد ان کے دو دو خلفا کا بھی دوامی طرزِ عمل یہی رہا، خود حضرت عثمان رضؓ بھی اسی کے پابند رہے، لیکن اچانک ان کے اس انقلابی طریقہ عمل سے جیسا کہ چاہئے تھا صحابہ میں کھلبلی مچ گئی، قصہ تو طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نماز سے پہلے جب منادی کرائی گئی کہ اس دفعہ بجائے دو کے چار رکعت پوری پڑھائی جائے گی تو جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اپنے خیموں سے باہر نکل آئے، تانتا بندھا ہوا تھا، ایک کے بعد ایک حضرت عثمان رضؓ کی بارگاہ میں جاتا اور ان سے پوچھتا کہ جس فعل کو نہ آنحضرتؐ نے کیا نہ ابوبکرؓ نے نہ عمرؓ نے، آپ کو اس میں تغیر کا کیا اختیار ہے، حضرت عثمانؓ اس کا جو جواب دیتے تھے، اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مطمئن نہ ہو سکا اور جب تک نماز کھڑی نہیں ہوئی بحث و مباحثہ کا یہ سلسلہ پوری سرگرمی اور شدت کے ساتھ جاری رہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف، ابوذر، ابن مسعودؓ جیسے کبار صحابہ اس مسئلہ میں حضرت عثمان رضؓ سے اختلاف کرتے رہے اور کیسا اختلاف؟ میں نہیں جانتا کہ کسی مسئلہ میں صحابہ نے اتنی شدت کے ساتھ مخالفت کا اظہار بھی کیا ہو، سخت کلامیوں تک نوبت پہنچ گئی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ برابر اپنی رائے پر مصر رہے[1]۔ بالآخر مایوس ہو ہو کر لوگ اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس ہو گئے۔ عام مسلمانوں میں

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

ہلچل مچی ہوئی تھی کہ دیکھئے آج اس اختلاف کا نماز کے وقت کیا نتیجہ ہوتا ہے، وقت آگیا، نماز کھڑی ہوگئی " چار رکعت میں پڑھاؤں گا" اس اعلان کے ساتھ حضرت عثمانؓ امام کے مصلی پر تشریف لے گئے، جن صحابیوں نے اختلاف کیا تھا، دنیا ان کے طرزِ عمل کی منتظر تھی، ششدر رو حیران ہو کر لوگ رہ گئے، جب انھوں نے دیکھا کہ اتنی شدید بحث و مباحثہ، جھگڑوں رگڑوں کے بعد اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیموں سے برآمد ہوا۔ اور اطمینان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پیچھے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے صفوں میں جاکر شریک ہوگیا۔ اور بجائے دو دو کے ہر ایک نے چار رکعتیں حضرت عثمان کے ساتھ ادا کیں، جب تک نماز ہوتی رہی، ظاہر ہے کہ پوچھنے کا کیا موقعہ تھا، لیکن جوں ہی سلام پھیر اگیا۔ ایک ہنگامہ برپا تھا، ان اختلاف

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جس کے تفصیلات فقہ اور حدیث کی کتابوں میں پڑھنا چاہئے مختصر یہ ہے کہ جیسا ابوداؤد وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سال پہلی دفعہ حضرت عثمانؓ نے بجائے قصر کے پوری نماز پڑھانے کا ارادہ فرمایا بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال دور دور کے دیہاتی مسلمانوں کا مجمع غیر معمولی طور پر اکٹھا ہوگیا تھا، حضرت عثمانؓ کو بعض ذرائع سے غالباً یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ عرفات و مزدلفہ میں قصر کی نمازوں کو دیکھ کر بعض اعراب (دیہاتیوں) نے اپنے علاقوں میں پھیلا دیا ہے کہ دو دو رکعتیں ہی کی یہ نمازیں ہیں۔ دلیل میں وہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے خود خلیفہ کے پیچھے ظہر کی دو اور عصر کی بھی دو عشاء کی بھی دو ہی پڑھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ناواقف دیہات والوں کو اس سے مغالطہ ہوا ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے، مقصود اسی غلط فہمی کا ازالہ تھا۔ روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طائف میں کچھ جائداد خریدی تھی وانہ اجمع علی الاقامۃ بعد الحج (مجمع) یعنی حج کے بعد اسی وجہ سے آپ نے قیام کا ارادہ فرما لیا تھا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ بجائے مسافر کے ان کی حیثیت مقیم کی ہوگئی اور مقیم پر ظاہر ہے کہ چار ہی پڑھنا فرض ہے، ماسوا اس کے خود یہ بات یعنی سفر میں نماز کے قصر کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے بعض اسے واجب و ضروری یعنی رخصت نہیں بلکہ عزیمت خیال کرتے ہیں حنفی مذہب بھی یہی ہے، لیکن بعضوں کے نزدیک اس کی حیثیت رخصت کی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان کا خیال رخصت کا نہ تھا، رفع مغالطہ اعراب کے لئے اگر انھوں نے بجائے رخصت کے عزیمت پر اور وہ بھی اقامت کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا تو ان کو اس کا حق تھا۔

کرنے والے بزرگوں میں سے جس کے پاس بھی جو کھڑا ہوا تھا، وہ

عبت علی عثمان وصلیت اربعاً[۱] تم نے عثمان پر اعتراض بھی کیا اور پڑھی چار ہی رکعت

یا اسی کے قریب قریب سوالوں سے پریشان کر دیا، لیکن جانتے ہو کہ اختلاف اور شدید اختلاف

کے ساتھ اتفاق اور کامل اتفاق کے جذبہ کی پرورش جن میں کی گئی تھی، انھوں نے پوچھنے والوں

کو جواب میں کیا کہا، روایتوں میں آیا ہے کہ بعضوں نے

انی اکرہ الخلاف　　　میں الگ ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

اور بعضوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اب بھی میں وہی کہتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و

ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق وہی روایت بیان کرتا ہوں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ آپ نے چار رکعت ادا کرنے کے بعد پوچھنے والوں سے جنھوں نے پوچھا تھا کہ

آپ ہی نے تو بیان کیا تھا کہ آنحضرت ابوبکرؓ و عمرؓ قصر ہی کرتے تھے، جواب میں فرمایا۔

وانا احدثکموہ الآن　　　اب بھی تم سے حدیث تو یہی بیان کروں گا (یعنی سب

(بیہقی)　　　ہی نے قصر کے ساتھ نماز پڑھائی)

کبھی یہ بھی فرماتے جیسا کہ بخاری میں ہے۔

فلوددت ان لی من اربع　　　میں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ ان چار رکعتوں کی

رکعات رکعتین متقبلتین　　　جگہ وہی دو قبول ہونیوالی رکعتیں اگر ہوتیں تو بہتر تھا۔

مگر یہ سب کچھ کہنے سننے کے ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے۔

فما خالفہ والخلاف شر[۲]　　　میں عثمانؓ سے جدا نہیں ہوں گا جدائی میں برائی ہے

اگرچہ اختلاف کرنے والوں میں سے بعضوں کا طرزِ عمل تو یہ تھا، جیسا کہ عبداللہ بن عمر کے متعلق

بیان کیا جاتا ہے کہ

اذا صلی مع الامام صلی اربعاً　　　جب امام کے ساتھ ان نمازوں کو پڑھتے تو چار ہی

---

[۱] ابوداؤد وغیرہ۔ از مجمع الفوائد۔ [۲] ابوداؤد، بیہقی وغیرہ۔

واذا صلاها وحدہ صلے رکعتین[1] پڑھتے اور جب تنہا پڑھتے تو دو پڑھتے۔

لیکن اختلاف میں جو سب سے پیش پیش تھے یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کا حال تو اس اختلافی اتفاق میں اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ بیہقی میں ان کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ

ثم صلی باصحابہ فی — عصر کی نماز انھوں نے ساتھیوں کے ساتھ اپنے
رحلہ العصر اربعاً — فرودگاہ ہی میں چار رکعتوں کے ساتھ ادا کی۔

اور یہ وہ حق تھا جو مسلمانوں کے امیر اور امام کو ان کے نزدیک اطاعت کے باب میں حاصل ہے، یعنی خلوت وجلوت، جماعۃً وانفراداً وہ خیال کرتے تھے کہ اس قسم کے اختلافی مسائل میں اختلاف رائے رکھنے کے باوجود عملاً مسلمانوں کو اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے[2]

بہ حال یہ واقعہ ہو، یا اس کے مماثل عہد صحابہ میں بیسیوں واقعات ایسے پیش آئے ہیں جن سے اتفاق کے ساتھ اختلاف، اور اختلاف کے ساتھ اتفاق کی اس ترکیبی آمیزش کا عجیب وغریب مرقع نگاہوں کے سامنے آتا ہے، جس کا پیغمبر نے اپنے صحابیوں کو اور صحابیوں نے اپنے تلامذہ تابعین کو عادی بنایا تھا، اور کہنے والے خواہ کچھ ہی کہتے ہوں، لیکن میرا خیال تو یہی ہے کہ مدت تک بلکہ اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں کے حال کا تعلق اپنے

---

[1] بخاری مسلم نسائی، از مجمع الفوائد۔ [2] اپنے مقام میں انشاء اللہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی سلک کی تفصیل آئے گی، یہاں صرف ایک لطیفہ کا ذکر مقصود ہے کہ امام کے جو تعلقات بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت اور حکام وخلفاء کے ساتھ تھے، وہ عام طور پر مشہور ہیں، دونوں حکومتوں نے آپ کو جیل کی سزائیں دیں، تازیانے لگوائے بالآخر خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے حکم سے آپ شہید ہوئے لیکن ان اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے امیر کے حق اطاعت پر انھیں کس حد تک اصرار تھا۔ اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ فتویٰ دینے سے حکومت وقت نے امام کو ایک زمانہ میں روک دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں امام کے صاحبزادے حماد تنہائی میں بھی کوئی مسئلہ پوچھتے تو امام جواب نہیں دیتے تھے۔ کہتے کہ حکومت نے ان کو افتار سے منع کر دیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ان کی سیرت کی کتابوں میں عام طور پر لیا جاتا ہے۔

ماضی سے نہ ٹوٹا تھا، ان کے اجتماعی مزاج کی عام کیفیت یہی تھی، آخر غور کرنے والے جب غور کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ سوال کیوں نہیں پیدا ہوتا کہ براہِ راست قرآن کے نصوص قطعیہ مثلاً

ولا تکونوا کالذین تفرقوا	اور نہ ہوجانا ان لوگوں کے مانند جو الگ الگ
واختلفوا من بعد ما جاءھم	ہوگئے، اور انھوں نے اختلاف کیا (البینات
البینات اولئک لھم	کھلی کھلی باتوں) کے آجانے کے بعد، ان
عذاب عظیم (آل عمران)	کے لئے بڑا عذاب ہے۔
واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً	یا تھامے رہنا اللہ کی ڈوری کو مل کر اور
ولا تفرقوا (آل عمران)	بکھرنا مت۔
ان الذین فرقوا دینھم	یا جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے
وکانوا شیعاً لست منھم	رکھدیا اور ہوگئے ٹولی ٹولی، تم ان میں سے
فی شیٔ (انعام)	کسی میں نہیں ہو۔
ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب	یا اور نہ جھگڑنا کہ تم بزدل ہوجاؤگے اور اکھڑ
ریحکم واصبروا ان اللہ	جائے گی ہوا تمہاری۔ صبر کیجیو، اللہ صبر کرنے
مع الصابرین (انفال)	والوں کے ساتھ ہے۔
ان ھذا صراطی مستقیما	یا یہ ہے میری راہ سیدھی تو لگے چلے آؤ اسی پر،
فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل	اور نہ پیچھے پڑنا راہوں کے، تو بچھڑادے گی یہ بات
فتفرق بکم عن سبیلہ (انعام)	تمہیں اللہ کی راہ سے۔

صاف صاف کھلے کھلے الفاظ میں باہمی مخالفتوں سے مسلمانوں کو شدت سے روک رہے تھے اوروں کو جانے دیجئے۔ صحابہ کرام کو کیا ہوگیا تھا کہ اختلافات کا ایک طوفان ان میں برپا ہوگیا جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ فقہی اختلافات کا اکثر و بیشتر حصہ ائمہ کا نہیں خود صحابہ

ہی کے عہد کا ہے، پھر صاحب نبوتِ کبریٰ کی تربیت و تعلیم، صحبت و مجالست کا العیاذ باللہ عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ اتنا اثر بھی نہ ہوا کہ قرآن کے اتنے واضح اور کھلے ہوئے مطالبہ کی تعمیل بھی ان سے نہ ہو سکی، ایک دو اختلاف ہوتے تو بشریت کی قدرتی کمزوری کے نیچے ممکن ہے کچھ پناہ مل سکتی تھی، لیکن ایک دو کیا معنی گنتے پر اگر کوئی آمادہ ہو تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک ان کے شمار کو پہنچا سکتا ہے، اور پھر لطف یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ مسلمانوں میں آئندہ بھی ان کے اس طرزِ عمل پر کسی نے تنقید نہیں کی اور تنقید کیا کرتے، خود ہی اس میں مبتلا رہے اور گزر چکا کہ اسی کو اچھا سمجھتے رہے، کیا قرآن کی یہ آیتیں ان کے سامنے نہ تھیں؟ یا ان کا ترجمہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا، کوئی ایسا اہم پیچیدہ لاہوتی راز یا قانونی معمہ بھی تو یہ نہ تھا، عامی ہو یا خاصی، جو بھی عربی جانتا ہو، وہ ان آیتوں کا مطلب سمجھ سکتا ہے۔

واقعہ یہی تھا اور یہی اب بھی ہے کہ مسلمان قرآن کی ان آیتوں کو بھی سمجھتے تھے، اور اختلافات کی جو صورتیں ان میں پیش آ رہی تھیں، انھیں بھی جانتے تھے، اسی لئے اپنے عمل اور قرآن کے مطالبہ میں انھیں کوئی تصادم و تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اختلاف اور تنازع سے ضرور منع کر رہا تھا اور کر رہا ہے لیکن اسی اختلاف و تنازع سے جس سے مسلمان ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، ٹولیاں بن بن کر باہم ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہو جائیں کہ ہر ٹولی اپنے دین کو دوسری ٹولی کے دین سے الگ چیز خیال کرتی ہو، آپ قرآن کی مذکورہ بالا آیات میں غور کیجئے، جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، کیا قرآن کا مطالبہ اس کے سوا اور کچھ ہے؟ شاطبی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فکل مسئلۃ حدثت فی	ہر نیا مسئلہ جو اسلام میں پیدا ہو، اور لوگ اس میں مختلف
الاسلام فاختلف الناس	ہو جائیں تو اگر اس اختلاف کی وجہ سے نہ عداوت پیدا ہو
فیہا ولم یورث ذلک الاختلاف	نہ بغض و کینہ اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوں تو ہم

بینھم العداوۃ ولا بغضاء	جان لیتے ہیں کہ وہ اسلام ہی کے مسئلوں میں سے
ولا فرقۃ علمنا انھا من	ایک مسئلہ ہے مگر جو مسئلہ ایسا چھڑے کہ دلوں میں دشمنی اور
مسائل الاسلام وکل مسئلۃ	باہمی منافرت اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہو ایک دوسرے
طرأت فاوجبت العداوۃ	کو برے برے القاب سے ملقب اور برے ناموں سے
والتنافر والتنابز والقطعیۃ	پکارنے لگیں، اسلامی اخوت کا رشتہ اس اختلاف کی
علمنا انھا لیست فی	وجہ سے کٹ جائے تو ہم جان لیں گے کہ دین سے
امر الدین فی شئ۔ (ص ۱۸۶)	اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دلیل میں انھوں نے گذشتہ آیتوں میں سے۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا	نہ ہو جانا ان جیسوں کی طرح جو جدا جدا ہو گئے
واختلفوا۔	اور مختلف ہوئے۔

اور

ان الذین فرقوا دینھم	قطعاً جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
وکانوا شیعاً۔	رکھ دیا، اور ہو گئے ٹولی ٹولی۔

کو پیش کر کے لکھا ہے۔

وجدنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو ہم نے
علیہ وسلم من بعدہ قد اختلفوا	پایا کہ آپ کے بعد دین کے احکام میں ان کے اندر
فی احکام الدین ولم یفترقوا	اختلاف پیدا ہوا، مگر باوجود اس اختلاف کے وہ
ولم یصیروا شیعاً۔	جدا جدا نہ ہوئے اور نہ ٹولی ٹولی بنے۔

اور یہی سیدھی سادی بات تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات کے ان قصوں کو نہ عہدِ صحابہ میں قرآنی مطالبات سے متجاوز سمجھا گیا اور نہ اس کے بعد قرآن کی خلاف ورزی کا الزام ان پر عائد کیا گیا، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہوں نے اسی کو خیر ٹھہراتے ہوئے ان کے

منافع کے پہلوؤں کو مختلف طریقہ سے اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اکابر ملت کے جو خیالات ان اختلافات کے باب میں تھے۔ ان کی ایک طویل فہرست پہلے درج ہو چکی ہے۔ اس عہد کے بعد بھی ارباب نظر کے سامنے اور بھی عجیب و غریب نکات آتے رہے مثلاً خبر الخاصہ والی حدیثوں کی بنیاد پر جو اختلافات مسلمانوں کی عملی زندگی میں پائے جاتے ہیں یعنی کوئی اپنی نمازوں میں رفع الیدین کرتا ہے، کوئی نہیں کرتا۔ آمین کے لفظ کو کوئی باواز بلند ادا کرتا ہے کوئی اس دعائی کلمہ کو خفیۃً ادا کرنا بہتر سمجھتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اختلافات ان مختلف آثار اور اخبار کے نتائج ہیں، جو ان مسائل کے متعلق خبر الخاصہ کی راہوں سے مسلمانوں میں پہنچے۔ شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے اپنے طویل مضمون میں ان اختلافی مسائل کے متعلق یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ نسلِ انسانی میں جو سراپا محمد (ستودہ صفات) بنا کر پیدا کیا گیا تھا ایسا ستودہ صفات کہ شاعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور نعتیہ مصرعہ

فانك قد خلقت كما تشاء

آپ اسی طرح پیدا کیے گئے جیسا آپ چاہتے تھے

شعر نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقی واقعہ تھا، ظاہر ہے کہ جو ایسا ہو، اس کے ہر فعل اور ہر فعل کے ہر پہلو کو ابد تک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے لئے اگر قدرت نے یہ کیا کہ کسی نہ کسی جماعت یا فرد کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اسی کو وہ اختیار کرے تو محبت کا اقتضا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، شیخ کا خیال ہے کہ جو نمازوں میں رفع الیدین کرتے ہوئے خدا کے سامنے جھکتا اور اٹھتا ہے وہ بھی اسی فعل کے جلوے کو خدا کے سامنے پیش کر رہا ہے جسے خدا چاہتا ہے اور جو اس عمل کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتا ہے وہ بھی وہی کر رہا ہے جو خدا کا محبوب بندہ کرتا تھا (فتوحات مکیہ کے مختلف مقامات میں شیخ نے اپنے اس نظریہ کا ذکر کیا ہے)۔

شیخ ہی کے غالی عقیدتمندوں میں ایک عالم صوفی علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں۔ انھوں نے تو ایک دو مسئلوں ہی میں نہیں بلکہ شریعت کے تمام ابواب و فصول

مسائل و جزئیات کے اسی قسم کے اختلافات سے نفع اٹھاتے ہوئے ان کو ایک مستقل نظام میں ڈھال دیا ہے، ضخیم ضخیم بڑی کتابیں انھوں نے اپنے اس "نظام نو" کو پیش نظر رکھکر تصنیف کی ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ اختلافی مسائل کے جس مسئلہ کو بھی لیا جائے اختلاف کے یہی معنی ہیں کہ بجائے ایک پہلو کے اس میں دو پہلو پیدا ہوتے ہیں، عام طور پر ان پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن شیخ بجائے ترجیح کے یہ کہتے ہیں کہ ان پہلوؤں پر غور کرو، یقیناً عمل کرنے والوں کے لئے ان میں کوئی پہلو نسبتاً ذرا دشوار ہوگا، اور کوئی آسان و سہل، اور یہی حال عمل کرنے والوں کا بھی ہے، یعنی وہ قوی ہوں یا ضعیف، پس دشوار پہلو کے متعلق سمجھا جائے کہ اس کا تعلق قوت والوں سے ہے اور جو پہلو اس فعل کا آسان و سہل ہو، سمجھا جائے کہ اس کا تعلق کمزوروں اور ضعیفوں سے ہے، مثلاً مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے یا نہیں، فقہار کا اس میں اختلاف ہے۔

شعرانی کہتے ہیں کہ مالی حیثیت سے جو ضعیف اور کمزور ہو، چاہئے کہ وہ اس پہلو کو اختیار کرے کہ دباغت سے مردار کی کھال پاک ہوجاتی ہے، ورنہ ایک تو غریب کی بکری یوں مفت مرگئی اور کھال سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا اس سے بھی وہ محروم ہوجاتا ہے لیکن جسے خدا نے ثروت و دولت دی ہے اس کی ضرورت مردار کی کھال کے بیچنے پر اٹکی ہوئی نہیں ہے چاہئے کہ وہ عدم طہارت کے ہر پہلو کو اختیار کرے۔

شعرانی نے اختلافیات کے سارے ابواب کو جیسا کہ میں نے عرض کیا، اسی اصول پر مرتب کردیا ہے، اپنے اس نظریہ کا نام انھوں نے "میزان" رکھا ہے، مسئلہ اور اس کے متخالف پہلوؤں پر عمل کرتے والوں کی مختلف حیثیتوں کی طرف رجوع کرکے آخر میں فرجع الی المیزان لکھدیتے ہیں یعنی بات میرے مقررہ میزان پر تل کر یوں بٹ گئی، میزان الکبری نامی کتاب اس باب میں ان کی مشہور کتاب ہے مصر اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ کر شائع ہوچکی ہے، فقیر کا مدت سے بلکہ شاید عنفوان شباب سے یہ ارادہ ہے کہ شعرانی کی ایک طویل سوانحمری

مرتب کرے، جس میں تفصیل کے ساتھ ان کے اس نظریہ کی، اور اس کے ساتھ اس عجیب و غریب عالم وصوفی کے دوسرے نظریات کی تشریح کی جائے، لیکن باوجود کافی مواد کے ترتیب کا موقعہ اب تک نہ مل سکا۔

بہر حال اختلافات کے ان قصوں میں مسلمانوں کو بجائے کسی ضرر و نقصان کے ہمیشہ اسی قسم کے منافع و فوائد پوشیدہ نظر آئے۔

وہ جانتے تھے کہ اختلاف انسان کی اس ہبوطی زندگی کی ان خصوصیتوں کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے، جن کے ساتھ متصف ہو کر آدمی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے، شریعت کا وہ ذخیرہ جو شیوع عام اور استفاضہ کی راہ سے امت میں منتقل ہوا ہے۔ اس ذخیرہ کو الگ کر دینے کے بعد خبر الخاصہ والی چیزیں ہوں، یا قیامت تک پیش آنے والے "حوادث و نوازل" کا وہ لامحدود سلسلہ ہو، جن پر حکم لگانے کا کام اجتہاد و استنباط کا ملکہ رکھنے والی ہستیوں کے سپرد خود شریعت اور شارع نے کر دیا ہے۔ شریعت کے اس حصہ کے متعلق کیا یہ ممکن تھا کہ ہر ایک اسی نتیجہ پر پہنچے جس پر دوسرا پہنچا ہو؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔

آدمی کا حال یہ ہے کہ باوجود آدمی ہونے کے نہ کسی کی صورت ہی دوسروں کی صورتوں سے ملتی ہے، نہ آنکھیں ملتی ہیں، نہ ناک ملتی ہے، انتہا یہ ہے کہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے ایک کی چال دوسرے کی چال سے بھی الگ ہو کر پہچانی جاتی ہے۔ یہ

فی ای صورۃ ماشاء رکبک (انفطار) جس صورت کے ساتھ چاہا تجھے جوڑ دیا۔

کے ارادہ قاہرہ کا حیرت انگیز تماشا ہے، باوجودیکہ ہم میں ہر ایک کی آنکھیں ہر ایک کے کان، ہر ایک کے ابرو، غرض تقریباً ایک ایک عضو، ایک ایک جوڑ، ایک ایک بند کا محل و مقام ہر ایک میں وہی ہے جو دوسروں میں ہے۔ ایسا کون ہے جس کی آنکھیں بجائے پیشانی کے کلوں پر لگائی گئی ہوں، یا اس کی ناک بجائے چہرے کے مونڈھے پر چپکائی گئی ہو، سب میں سب کچھ کو

ایک ہی جگہ ایک ہی مقام پر قائم رکھتے ہوئے سب کو سب سے جدا کر دینا، اتنا جدا کہ کروروں کے مجمع میں ہر ایک پہچانا جاتا ہے، اپنی شکل سے، صورت سے، لب و لہجہ سے، چال ڈھال سے اور جو حال ظاہر کا ہے، یہی اور بجنسہ یہی حال باطنی صفات و جذبات عواطف و میلانات کا بھی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں لاکھ اشتراکی نقاط کے باوجود تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ دو آدمی کی طبیعت بالکلیہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے ایک نہیں ہو سکتی، اسی طرح ایک نہیں ہو سکتی، جس طرح سمجھا جاتا ہے کہ ایک شخص کا انگوٹھے کا نشان دوسروں کے نشان سے نہیں مل سکتا اور جب واقعہ کی یہی صورت ہے تو شریعت کے جس حصہ کی توضیح و تشریح، تحقیق و تنقیح اور ان مختلف روایات کی جو خبر الخاصہ کی راہوں سے مروی ہوتی ہیں، ان کے متعلق تطبیق و ترجیح وغیرہ کے کاروبار کو امت کے سپرد کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے اختلافات کا رونما ہونا، ان میں ایک قدرتی بات تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ کام بھی خدا اور رسول ہی کی طرف سے انجام دے دیا جاتا، جب بھی کیا اختلافات کے یہ دروازے بند ہو سکتے تھے، ایک ہی بات کے سمجھنے میں جب سب برابر نہیں ہو سکتے اور نہیں ہوتے ہیں، خود پیغمبر نے رب حامل فقہ غیر فقیہ (بسا اوقات فقہ کے حامل خود اس کے سمجھنے والے نہیں ہوتے) والی مشہور حدیث میں فہم کے مختلف مدارج کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس علم کو جو پیغمبر کو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے، موسلا دھار بارش سے تشبیہ دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سننے والوں کو مختلف قسم کی زمینوں کی شکل میں جو تقسیم فرمایا ہے، بخاری کی اس حدیث کا پہلے بھی کہیں ذکر آچکا ہے، اس سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک ہی بات کے سمجھنے میں سب برابر نہیں ہوتے۔ ؎

؎ اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ ظاہری اور باطنی خصوصیات کا یہ اختلاف صرف انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ حیوانات و نباتات حتی کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ گلاب کی دو پنکھڑیاں بھی ہر لحاظ سے بالکل ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہو سکتیں۔ کچھ نہ کچھ ان دونوں میں بھی ہمیشہ اختلاف پایا گیا ہے۔ جب کبھی اس کی تحقیق کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہستی کے طبقات میں جتنی زیادہ بلندی پیدا ہوتی گئی ہے۔ اسی نسبت سے اختلاف کی نزاکتیں بھی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

پھر اگر شریعت کے سارے کلیات و جزئیات کو قطعی اور صریح و واضح نصوص کی شکل بالفرض اگر عطا بھی کردی جاتی۔ اور جو چیز عادۃً ناممکن ہے وہ واقع بھی ہو جاتی تو فہموں کے اس اختلاف سے مختلف لوگوں کے نکالے ہوئے نتائج میں جو اختلاف پیدا ہوتا، اور ہوتا کیا معنیٰ ہوا اور ہو رہا ہے، اس ناگزیر اختلاف کے انسداد کی کیا صورت ہو سکتی تھی، قرآن کی مشہور آیتیں جن میں بتایا گیا ہے کہ خدا چاہتا تو افرادِ انسانی کو بھی ایک ہی امت بنا دیتا، آخر حیوانات و نباتات میں جو وحدت ہے کہ اس رنگ کو قائم کئے ہوئے ہے۔ ہاتھیوں کی ایک امت ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۶) بڑھتی چلی گئی ہیں، تا اینکہ انسانی دائرہ میں فطری اختلافات کا یہ قصہ بہت زیادہ پیچیدہ اور ژولیدہ ہو گیا ہے، انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ان اختلافات کے آثار نمایاں ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ ہر شعبہ میں اختلافات اور ان کے آثار و نتائج کی واقعیت کو تسلیم کرتے ہوئے چند دنوں سے صرف ایک معاشی شعبہ میں چاہا جا رہا ہے کہ آثار و نتائج کے ان اختلافات کو ختم کر دیا جائے وہی جس کی تعبیر اس زمانہ میں مسئلہ اشتراکیت یا بالشویزم سے کی جاتی ہے، چاہا گیا تھا اور شاید اب بھی دنیا میں اس کے چاہنے والے موجود ہیں کہ غربت و امارت کا جو تفاوت باہم افرادِ انسانی میں پایا جاتا ہے اُسے ختم کر دیا جائے اور جس طرح بکریوں، بھیڑوں، جنگلی جانوروں میں امیری و غریبی کا کوئی فرق نہیں ہے گھاس پانی سب میں ان کی ضرورتوں کے مطابق تقسیم ہوتا ہے، یہی کیفیت افرادِ انسانی میں بھی پیدا کر دی جائے اس میں شبہ نہیں کہ غربت و امارت کا جو تفاوت زبردستوں کی زبردستیوں اور کمزوروں کی کمزوریوں سے پیدا ہو جاتا ہے، اس کا روکنا تو آدمی کے بس میں ہے اور اسی لئے دنیا کے اکثر مذاہب خصوصاً اسلام میں اس ظالمانہ فرقِ مراتب کے انسداد کی صورتیں مختلف طریقوں سے پیدا کی گئی ہیں۔ مسئلہ سود، قانونِ وراثت، قانونِ زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ ان ہی معاشی مفاسد کے انسداد کے ذرائع ہیں، لیکن تفاوت کا جو قصہ افرادِ انسانی کے فطری صفات کے تفاوت پر مبنی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انسداد کیسے کیا جا سکتا ہے اور اس میں کامیابی اس وقت تک کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب تک ان صفات ہی کی پیدائش نہ روک دی جائے جن کو لے کر آدمی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ان ہی کی بنیاد پر ہم میں ایک اونچا اور دوسرا نیچا بن جاتا ہے اس مسئلہ کا ذیلی طور پر اس نے ذکر کر دیا گیا کہ تفاوتِ صفات کا تذکرہ آ گیا تھا، ورنہ نظریہ اشتراکیت کی یہ کامل تنقید نہیں ہے اور نہ اس کے بحث کا یہ مقام ہے "اسلامی معاشیات" نامی کتاب کے مقدمہ میں اس پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے جسے خاکسار نے حال ہی میں لکھا ہے۔ ۱۲

طوطوں کی ایک امت ہے، سب کا کھانا پینا، رہنا سہنا اور سب کے احساس وادراک کا ایک حال ہے، جس نے یہ کرکے دکھایا ہے، کیا آدمی میں اسی رنگ کے پیدا کرنے سے وہی قدرت عاجز ٹھیرائی جا سکتی ہے، لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ افراد انسانی کا ظاہراً و باطناً مختلف ہونا ایک قدرتی بات ہے بلکہ سورۂ ہود کی آیت

ولو شاء ربك لجعل الناس امة واحدة　اگر چاہتا رب تیرا تو بنادیتا لوگوں کو ایک امت

ولا یزالون مختلفین الا من رحم　اور یہ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر وہی جس پر رحم کرے

ربك ولذلك خلقهم　تیرا رب اور اسی لئے پیدا کیا ہے ان کو۔

آخری الفاظ "اسی لئے پیدا کیا ہے ان کو" کی تفسیر میں مفسرین کا ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ مراد اس سے انسانوں کا باہم مختلف ہونا ہے، بیضاوی میں اسی رائے کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الضمير للناس فالاشارة　(خلقهم) میں ہم کی ضمیر کا مرجع "الناس" ہے

الى الاختلاف　اور (ولذلك) کا اشارہ ایسی صورت میں

(ص ۳۸۹ ج ۱ مطبوعہ ہند)　اختلاف کی طرف ہوگا۔

(باقی آئندہ)